صحیح مسلم شریف

۷،۴۲۲ احادیث نبوی کا روح پرور اور ایمان افروز ذخیرہ



صحیح مسلم شریف

مع مختصر شرح نووی مترجم

جلد اوّل

امام مسلم بن الحجاج نے کئی لاکھ احادیث نبوی سے انتخاب فرما کر مستند اور صحیح احادیث جمع فرمائی ہیں۔

ترجمہ:

علامہ وحید الزمان

نام کتاب

صحیح مسلم شریف

تالیف: امام مسلم بن الحجاج ؒ

ترجمہ: علامہ وحید الزمان ؒ

جلد: اوّل

تاریخ اشاعت: اگست ۲۰۰۴ء

كِتَابُ الْإِيمَانِ

ایمان کا بیان

خطابی نے کہا اکثر علماء کا مذہب یہ ہے کہ ایمان اور اسلام ایک ہے اور زہری نے کہا اسلام زبان سے اقرار کرنا ہے اور ایمان عمال صالحہ کو کہتے ہیں اور صحیح یہ ہے کہ اسلام عام ہے اور ایمان خاص۔ تو ہر مومن مسلم ہے لیکن ہر مسلم کا مومن ہونا ضروری نہیں۔ ایمان کی اصل تصدیق ہے یعنی دل سے یقین کرنا اور اسلام کی اصل فرمانبرداری ہے یعنی اطاعت کرنا۔ تو کبھی آدمی ظاہر میں مطیع ہوتا ہے پر دل میں اس کے یقین نہیں ہوتا۔ وہ مسلم ہے نہ مومن۔ پھر ایمان اصطلاح شرع میں یہ ہے کہ دل سے یقین کرے اور زبان سے اقرار کرے اور اعمال کو ہاتھ پاؤں سے ادا کرے' اس لیے ایمان گھٹتا بڑھتا ہے اور یہی مذہب ہے اہل حدیث کا اور اس کی دلیل بہت سی آیتیں اور حدیثیں ہیں۔ اور مرجیہ کا قول یہ ہے کہ ایمان صرف قول کا نام ہے اور اعمال صالح ایمان میں داخل نہیں' اسی لیے ایمان نہ گھٹتا ہے نہ بڑھتا ہے اور حنفیہ بھی اس باب میں موافق ہوئے ہیں مرجیہ کے مگر فرق یہ ہے' حنفیہ اعمال صالحہ کو عذاب سے بچنے کے لیے ضروری جانتے ہیں اور مرجیہ کہتے ہیں اعمال کی ضرورت نہیں اور ایمان کے ساتھ کوئی گناہ ضرر نہیں کرتا اور جو لوگ خلاف احادیث صحیحہ اور آیات قرانیہ کے اس بات کے قائل ہوئے ہیں کہ ایمان میں زیادتی اور کمی نہیں ہوتی' اس لیے کہ ایمان صرف تصدیق قلبی اور یقین کو کہتے ہیں' انھوں نے غور نہیں کیا۔ اس لیے کہ تصدیق اور یقین دونوں صفات نفسانی میں سے ہیں اور ہمیشہ صفات نفسانی' جیسے رنج' غصہ' محبت اور عداوت' میں زیادتی اور کمی ہوتی ہے۔ پس اسی طرح دلائل میں غور کرنے سے یقین میں بھی کمی اور بیشی ہوتی ہے بعضوں نے کہا ہے کمی اور بیشی نہ ہونے سے یہ غرض ہے کہ کمیت میں کمی بیشی نہیں ہوتی لیکن کیفیت میں تو کمی اور بیشی ہونا ضروری ہے کیونکہ مقلد کا ایمان ہرگز محقق کے ایمان کے برابر نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح ایمان ادنیٰ عامی آدمی کا اور ایمان انبیاء اور اولیاء کا کیوں کر برابر ہو سکتا ہے؟ اب علماء نے اتفاق کیا ہے اس بات پر کہ مومن جس پر حکم کیا جاوے گا اہل قبلہ ہونے کا اور جو ہمیشہ جہنم میں نہ رہے گا وہ وہ شخص ہے جو اپنے قلب سے یقین کرے دین اسلام کے حق ہونے پر اور اس میں شک نہ رکھے اور زبان سے اقرار کرے اللہ جل جلالہ کی توحید اور آنحضرتؐ کی رسالت کا۔ اب اگر ایک بات کا اقرار کرے یعنی فقط توحید یا فقط رسالت کا تو وہ مومن نہ ہوگا اور بعضوں نے کہا کہ اگر فقط توحید کا اقرار کرے تو وہ مسلم ہوگا اور اس سے کہا جائے گا رسالت کے اقرار کے لیے' پھر اگر وہ انکار کرے تو مرتد' واجب القتل ہوگا۔ اسی طرح جو شخص اہل قبلہ میں سے ہو وہ کسی گناہ کی وجہ سے کافر نہ ہوگا۔ البتہ اگر اسلام کے کسی ضروری رکن کا انکار کرے اور عمل نہ کرے جس کا ثبوت بتواتر اور اتفاق ہے جیسے نماز یا روزہ کی فرضیت کا یا خمر کی حرمت کا یا زنا کا یا ناحق قتل کی حرمت کا تو وہ کافر کہا جائے گا۔ (نووی باختصار مع زیادہ)

بَاب: بَيَانِ الْإِيمَانِ وَالْإِسْلَامِ وَالْإِحْسَانِ وَوُجُوبِ الْإِيمَانِ بِإِثْبَاتِ قَدَرِ اللَّهِ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى وَبَيَانِ الدَّلِيلِ عَلَى التَّبَرِّي مِمَّنْ لَا يُؤْمِنُ بِالْقَدَرِ وَإِغْلَاظِ الْقَوْلِ فِي حَقِّهِ

باب: ایمان اور اسلام اور احسان اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی تقدیر کے اثبات کے بیان میں

قَالَ أَبُو الْحُسَيْنِ مُسْلِمُ بْنُ الْحَجَّاجِ الْقُشَيْرِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ بِعَوْنِ اللَّهِ نَبْتَدِئُ وَإِيَّاهُ نَسْتَكْفِي وَمَا تَوْفِيقُنَا إِلَّا بِاللَّهِ جَلَّ جَلَالُهُ. [1]

۹۳- عَنْ يَحْيَى بْنِ يَعْمَرَ قَالَ كَانَ أَوَّلَ مَنْ قَالَ فِي الْقَدَرِ بِالْبَصْرَةِ مَعْبَدٌ الْجُهَنِيُّ فَانْطَلَقْتُ أَنَا وَحُمَيْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْحِمْيَرِيُّ حَاجَّيْنِ أَوْ مُعْتَمِرَيْنِ فَقُلْنَا لَوْ لَقِينَا أَحَدًا مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلْنَاهُ عَمَّا يَقُولُ هَؤُلَاءِ فِي الْقَدَرِ فَوُفِّقَ لَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ بْنِ

امام ابوالحسین مسلم الحجاج اس کتاب کے مؤلف فرماتے ہیں ہم شروع کرتے ہیں کتاب کو اللہ تعالیٰ کی مدد سے اور اسی کو کافی سمجھ کر اور نہیں ہے ہم کو توفیق دینے والا مگر اللہ تعالیٰ' بڑا ہے جلال اس کا۔

۹۳- یحییٰ بن یعمر سے روایت ہے' سب سے پہلے جس نے تقدیر میں گفتگو کی بصرے میں (جو ایک شہر ہے دہانہ خلیج فارس پر۔ آباد کیا تھا اس کو عتبہ بن غزوان نے حضرت عمرؓ کی خلافت میں۔ سمعانی نے کہا بصرہ قبہ ہے اہل اسلام کا اور خزانہ ہے عرب کا اور درحقیقت بصرہ ایک شہر ہے جس سے تجارت اہل ہند اور فارس کے ساتھ بخوبی قائم ہو سکتی ہے اور شاید اسی مصلحت سے اس شہر کی بنا ہوئی ہو گی۔) وہ معبد جہنی تھا۔ تو میں اور حمید بن عبدالرحمٰن حمیری

---

[1] ☆ اب یہاں سے کتاب مسلم کی شروع ہوتی ہے مگر ہم نے ترجمے میں اختصار کے واسطے حدیث کی اسناد کو نہیں لکھا کیونکہ اسناد سے وہی لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں جو اہل عمل اور اہل معرفت ہیں اور عامی آدمی کو صرف یہی کافی ہے کہ علماء حدیث جس حدیث کو صحیح کہتے ہیں اس پر عمل کرے۔ امام مسلمؒ اسناد میں کہیں حدثنا اور اخبرنا کہتے ہیں اور کہیں حدثنی اور اخبرنی' اس سے امام مسلمؒ کی کمال احتیاط حدیث کی روایت میں معلوم ہوتی ہے۔ حدثنی اور اخبرنی وہاں کہا جاتا ہے جہاں امام مسلمؒ نے اکیلے کسی شیخ سے حدیث سنی یا اکیلے پڑھ کر سنائی اور حدثنا اور اخبرنا وہاں جہاں اور لوگوں کے ساتھ حدیث سنی یا پڑھ کر سنائی۔

(۹۳) ☆ یعنی تقدیر کی نفی کی اور بدعت نکالی اور مخالفت کی اہل حق کی کیونکہ اہل حق تقدیر کو ثابت کرتے ہیں' یعنی یوں کہتے ہیں کہ اللہ جل جلالہ نے ازل میں سب چیزوں کا اندازہ کر دیا تھا' یعنی وہ جانتا تھا کہ فلاں چیز فلاں وقت میں فلاں طرح پر واقع ہو گی' پھر اسی کے موافق جیسے خدا کے علم میں تھا وہ چیز ظاہر ہوتی ہے۔ اور قدریہ اس امر کا انکار کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اللہ جل جلالہ نے ان کا اندازہ نہیں کیا۔ اس کو ان کا علم نہ تھا بلکہ جب وہ چیزیں واقع ہوئیں تو اس وقت خدا کو ان کا علم ہوا۔ اور یہ ان کا جھوٹ ہے خدائے عزوجل پر۔ اس فرقہ کو قدریہ اس لیے کہتے ہیں کہ وہ انکار کرتا ہے قدر کا۔ صاحب مقالات نے کہا کہ یہ فرقہ قدریہ کا تمام ہو گیا اور کوئی اہل قبلہ میں سے اس قول کا قائل نہ رہا اور اخیر زمانہ میں جو قدریہ کہلاتے ہیں وہ تقدیر الٰہی کو ثابت کرتے ہیں پر یہ کہتے ہیں کہ خیر اللہ کی طرف سے ہے اور شر شیطان اور بندے کی طرف سے ہے۔ اور معتزلہ کو بھی قدریہ کہتے ہیں کیونکہ وہ اس بات کے قائل ہوئے ہیں کہ بندہ بالکل قادر ہے اور وہ خود اپنے افعال کا خیر' ہوں یا شر' خالق ہے اور رافضی بھی اس بات میں معتزلہ کے شریک ہوئے ہیں اور اہل حدیث یہ کہتے ہیں کہ خالق کوئی نہیں ہے سوائے خدا کے۔ خدا ہی تمام ؎

الْخَطَّابِ دَاخِلًا الْمَسْجِدَ فَاكْتَنَفْتُهُ أَنَا وَصَاحِبِي أَحَدُنَا عَنْ يَمِينِهِ وَالْآخَرُ عَنْ شِمَالِهِ فَظَنَنْتُ أَنَّ صَاحِبِي سَيَكِلُ الْكَلَامَ إِلَيَّ فَقُلْتُ أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ إِنَّهُ قَدْ ظَهَرَ قِبَلَنَا نَاسٌ يَقْرَءُونَ الْقُرْآنَ وَيَتَقَفَّرُونَ الْعِلْمَ وَذَكَرَ مِنْ شَأْنِهِمْ وَأَنَّهُمْ يَزْعُمُونَ أَنْ لَا قَدَرَ وَأَنَّ الْأَمْرَ أُنُفٌ قَالَ فَإِذَا لَقِيتَ أُولَئِكَ فَأَخْبِرْهُمْ أَنِّي بَرِيءٌ مِنْهُمْ وَأَنَّهُمْ بُرَآءُ مِنِّي وَالَّذِي يَحْلِفُ بِهِ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ لَوْ أَنَّ

دونوں مل کر چلے حج یا عمرے کے لیے اور ہم نے کہا کاش ہم کو کوئی صحابی رسول اللہ ﷺ کا مل جائے جس سے ہم ذکر کریں اس بات کا جو یہ لوگ کہتے ہیں تقدیر میں۔ تو مل گئے ہم کو اتفاق سے عبداللہ بن عمرؓ بن خطاب مسجد کو جاتے ہوئے۔ ہم نے ان کو بیچ میں کر لیا یعنی میں اور میرا ساتھی داہنے اور بائیں بازو ہو گئے۔ میں سمجھا کہ میرا ساتھی (حمید) مجھ کو بات کرنے دے گا (اس لیے کہ میری گفتگو اچھی تھی) تو میں نے کہا اے ابا عبدالرحمٰن! (یہ کنیت ہے ابن عمرؓ کی) ہمارے ملک میں کچھ ایسے لوگ پیدا ہوئے ہیں جو قرآن کو پڑھتے ہیں اور علم کا شوق رکھتے ہیں یا اس کی باریکیاں نکالتے ہیں

چیزوں کا خالق یہاں تک کہ انسان کے افعال اور خیالات اور ارادے کا بھی۔ پر خدا نے بندے کو ایک قسم کا اختیار دیا ہے جس پر عذاب اور ثواب منحصر ہے پر اس اختیار کو خلق نہیں کہتے۔ خود قرآن مجید میں یہ بات موجود ہے واللہ خلقکم وما تعملون یعنی اللہ نے تم کو پیدا کیا اور تمہارے عملوں کو اور فرمایا: هل من خالق غير الله یعنی کوئی خالق نہیں سوائے خدا کے۔ ابو محمد بن قتیبہ نے غریب الحدیث میں اور ابو المعالی امام الحرمین نے ارشاد میں یوں لکھا ہے کہ بعض قدریہ کہتے ہیں ہم قدریہ نہیں ہیں بلکہ اہلسنت قدریہ ہیں کیونکہ وہ قدر اور قضا ثابت کرتے ہیں۔ اور یہ محض دھوکا اور فریب ہے۔ اس لیے کہ اہل حق تمام کاموں کو خدا کے سپرد کرتے ہیں اور قدر اور افعال کو خدا کی طرف نسبت کرتے ہیں اور یہ جاہلین اپنی طرف نسبت کرتے ہیں اور جو شخص اپنی طرف نسبت کرے کسی چیز کی تو وہ اولیٰ ہے کہ نام رکھا جائے اس چیز کے ساتھ بہ نسبت اس شخص کے جو اس چیز کو اپنے سے نفی کرے اور غیر کے لیے ثابت کرے۔ امام الحرمین نے کہا رسول اللہؐ نے فرمایا قدریہ مجوس ہیں اس امت کے۔ تو مشابہت دی قدریہ کو مجوس کے ساتھ جیسے مجوس (فارسی لوگوں) نے دو خالق ثابت کیے ہیں۔ ایک خیر کا' اس کو "یزداں" کہتے ہیں اور ایک شر کا' اس کو "اہرمن" کہتے ہیں۔ اسی طرح قدریوں نے بھی شر کا خالق بندے کو قرار دیا بلکہ وہ بدتر ہیں مجوس سے کیونکہ مجوس نے تو دو خالق نکالے اور انھوں نے ہزاروں، لاکھوں کروڑوں خالق کر دیے۔

نووی نے کہا یہ حدیث کہ قدریہ مجوس ہیں اس امت کے روایت کیا اس کو ابو حازم نے ابن عمرؓ سے' انھوں نے رسول اللہؐ سے اور روایت کیا اس کو ابوداؤد نے اپنی سنن میں اور حاکم نے مستدرک میں اور کہا کہ صحیح بخاری اور مسلم کی شرط پر اگر ابو حازم کا سماع ابن عمرؓ سے ثابت ہو جائے۔ خطابی نے کہا رسول اللہؐ نے قدریہ کو مجوس اس لیے کہا کہ ان کا قول مشابہ ہے مجوس کے مذہب کے کیونکہ مجوس دو اصلوں کے قائل ہیں۔ ایک نور یعنی روشنی' دوسری ظلمت یعنی تاریکی۔ اور کہتے ہیں کہ خیر نور کا فعل ہے اور شر ظلمت کا۔ تو وہ بت پرست اور مشرک ہوئے۔ اسی طرح قدریہ نسبت کرتے ہیں خیر کی اللہ کی طرف' اور شر کی دوسرے کی طرف حالانکہ اللہ جل جلالہ خالق ہے خیر اور شر سب کا اور کوئی کام برا ہو یا بھلا بغیر اس کی مشیت اور ارادے کے نہیں ہوتا۔ تو خیر اور شر دونوں باعتبار خلق کے منسوب ہیں اللہ کی طرف۔ اور باعتبار کسب اور فاعلیت کے بندے کی طرف اور بعض آدمی قضا اور قدر کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ بندہ بالکل مجبور ہے خدا کی قدر اور قضا کے سامنے اور اس کو کسی طرح کا اختیار نہیں۔ یہ فرقہ جبریہ کہلاتا ہے جو قدریہ کی طرح گمراہ ہے اور اہل سنت سے خارج ہے' حالانکہ قضا و قدر کا یہ مطلب نہیں بلکہ قضا و قدر اللہ تعالیٰ کا علم ہے کہ بندہ کیسے کام کرے گا برے یا بھلے اور کب کرے گا' پر بندے کو اس کا علم نہیں' اسی واسطے وہ سب کام اپنے اختیار سے کرتا ہے

لِأَحَدِهِمْ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا فَأَنْفَقَهُ مَا قَبِلَ اللَّهُ مِنْهُ حَتَّى يُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ ثُمَّ قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ إِذْ طَلَعَ عَلَيْنَا رَجُلٌ شَدِيدُ بَيَاضِ الثِّيَابِ شَدِيدُ سَوَادِ الشَّعَرِ لَا يُرَى عَلَيْهِ أَثَرُ السَّفَرِ وَلَا يَعْرِفُهُ مِنَّا أَحَدٌ حَتَّى جَلَسَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَسْنَدَ رُكْبَتَيْهِ إِلَى رُكْبَتَيْهِ وَوَضَعَ كَفَّيْهِ عَلَى فَخِذَيْهِ وَقَالَ يَا

اور بیان کیا حال ان کا اور کہا کہ وہ کہتے ہیں تقدیر کوئی چیز نہیں اور سب کام ناگہاں ہو گئے ہیں۔ عبداللہ بن عمرؓ نے کہا تو جب ایسے لوگوں سے ملے تو کہہ دے ان سے 'میں بیزار ہوں اور وہ مجھ سے اور قسم ہے اللہ جل جلالہ کی کہ ایسے لوگوں میں سے (جن کا ذکر تو نے کیا جو تقدیر کے قائل نہیں) اگر کسی کے پاس احد پہاڑ کے برابر سونا ہو' پھر وہ اس کو خرچ کرے خدا کی راہ میں تو خدا قبول نہ کرے گا جب تک تقدیر پر ایمان نہ لائے۔ پھر کہا کہ حدیث بیان کی مجھ سے میرے باپ عمرؓ بن الخطاب نے کہ ایک روز ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے تھے' اتنے میں ایک شخص آن پہنچا جس کے

ﷺ ہے اور اس کا ثواب یا عذاب ملتا ہے۔ (نووی مع زیادۃ)

سمعانی نے کتاب الانسان میں لکھا ہے کہ جہنی نسبت ہے جہینہ کی طرف جو ایک قبیلہ ہے قضاعہ میں سے اور اس کا نام زید بن لیث بن اسود بن اسلم بن الحاف بن قضاعہ تھا۔ کچھ لوگ اس کے کوفے کے ایک محلہ میں اترے جو منسوب ہے جہینہ کی طرف اور کچھ بصرے میں اور بصرے والوں میں تھا معبد بن خالد جہنی جو حسن بصری کا شاگرد تھا اور سب سے پہلے اس نے گفتگو کی تقدیر میں بصرے میں' پھر بصرہ والے اس کی راہ چلنے لگے۔ حجاج بن یوسف نے اس کو قتل کیا باندھ کر۔ تقریب میں ہے کہ بعضوں نے کہا اس کے باپ کا نام عبداللہ بن عکیم ہے اور بعضوں نے کہا اس کا دادا عویمر تھا۔ وہ سچا ہے۔ مسکین بدعتی تھا۔ اس نے اول تقدیر میں گفتگو کی بصرے میں اور قتل کیا گیا ۸۰ھ میں۔

حدیث میں یہاں یتقفرون ہے بتقدیم قاف بر فاء جس کے معنی یہ ہیں کہ طلب کرتے ہیں علم کو اور شوق رکھتے ہیں اور بعض نسخوں میں یتفقرون ہے بتقدیم فاء بر قاف۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ باریکیاں نکالتے ہیں اور موشگافیاں کرتے ہیں اور بعضوں نے مسلم کے سوا یہ لفظ روایت کیا ہے یقفون بحذف الراء یعنی پیروی کرتے ہیں علم کی۔ قاضی عیاض نے کہا بعضوں نے یتقعرون پڑھا تقعر سے یعنی گہری باتیں نکالتے ہیں۔ اور ابو یعلی کی روایت میں یتفقہون ہے یعنی فقہ حاصل کرتے ہیں۔ (نووی)

یعنی ابتدائی ایکا ایک ہی بے سوچے سمجھے ہو گئے' اللہ تعالیٰ کو پیشتر سے ان کا علم نہ تھا نہ اس نے پہلے سے کوئی اندازہ کیا تھا بلکہ وقوع کے بعد خدا کو علم ہوا۔ جیسے اوپر گزرا کہ یہ قول غلاۃ قدریہ کا ہے اور سب قدریہ کا نہیں اور قائل اس کا گمراہ اور جھوٹا ہے۔ خدا سب مسلمانوں کو اس اعتقاد سے بچائے یعنی علاقہ اسلام کا اس لیے کہ وہ سب کافر ہیں۔ قاضی عیاض نے کہا کہ مراد وہ قدریہ ہیں جو خدا کا علم مخلوق کے ساتھ نفی کرتے ہیں وہ بالاتفاق کافر ہیں اور یہ لوگ در حقیقت فلاسفہ ہیں جو کہتے ہیں خدا تعالیٰ کو جزئیات کا علم نہیں ہو سکتا اگر ہو بھی تو ایک طرح کا اجمالی علم ہو گا نہ کہ تفصیلی۔ بعضوں نے کہا کہ ابن عمر کا یہ قول صاف دلالت کرتا ہے قدریہ کے کافر ہونے پر اور احتمال ہے کہ مراد کفر سے ناشکری ہے لیکن آگے کی عبارت سے صاف ان کا کفر معلوم ہوتا ہے۔ اس ایک فقرے میں رسول اللہؐ نے سارے تصوف اور سلوک کو بیان کر دیا۔

تصوف کی تعریف:

خلاصہ تصوف کا یہ ہے کہ بندے کو خدا سے محبت اور الفت پیدا ہو اور خدا کا خیال ہر وقت بندے کے دل میں رہے۔ تو اعلیٰ درجہ اس کا یہ ہے کہ بندہ خدا کی ذات کے تصور میں ایسا غرق ہو جائے کہ سوا خدا کے کچھ نہ نظر آئے۔ گو ظاہری آنکھوں سے دنیا کی چیزیں دیکھے ﷺ

مُحَمَّدُ أَخْبِرْنِي عَنِ الْإِسْلَامِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ((الْإِسْلَامُ أَنْ تَشْهَدَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتُقِيمَ الصَّلَاةَ وَتُؤْتِيَ الزَّكَاةَ وَتَصُومَ رَمَضَانَ

کپڑے نہایت سفید تھے اور بال نہایت کالے تھے' یہ نہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ سفر سے آیا ہے اور کوئی ہم میں سے اس کو پہچانتا نہ تھا۔ وہ بیٹھ گیا آنحضرت ﷺ کے پاس آکر اور اپنے گھٹنے حضرتؐ کے گھٹنوں سے ملا دیے اور دونوں ہاتھ اپنی رانوں پر رکھے' (جیسے شاگرد استاد کے سامنے بیٹھتا ہے) پھر بولا اے محمدؐ! بتلاؤ مجھ کو

ﷺ اور کانوں سے سنے پر جب دل خدا سے لگا ہے تو آنکھ اور کان مردے کی آنکھ اور کان کی طرح کھلے ہیں۔ آنکھ دیکھتی ہے کان سنتا ہے مگر دھیان اور لو مولیٰ کی طرف ہے۔ اس کو وحدۃ الشہود کہتے ہیں جو اعلیٰ درجہ کے فقیروں اور صوفیوں اور خدا کے پاک بندوں کو حاصل ہوتا ہے۔ اور ایک مرتبہ اس سے ادنیٰ ہے جس کے حاصل کرنے کے لیے ہر مسلمان کو کوشش کرنی چاہیے۔ وہ یہ کہ ہر وقت خدا کو حاضر اور ناظر سمجھے اور یہ یقین کرے کہ خدا اس کی تمام حرکات اور سکنات یہاں تک کہ قلب کے خطرات اور خیالات کو بھی جانتا ہے۔ پھر اس کی عبادت کے وقت دوسری چیز میں دل لگانا اور بیہودہ وسوسوں کو راہ دینا شیطان کا کام ہے' جس سے پناہ مانگنا چاہیے۔

نووی نے کہا' مقصود اس کلام سے یہ ہے کہ بندہ عبادت میں اخلاص کرے اور دل لگاوے یعنی عبادت بہت خضوع اور خشوع سے کرے۔ قاضی عیاض نے کہا کہ یہ حدیث ایسی جامع ہے کہ تمام شریعت کے علوم اس سے نکل سکتے ہیں۔ یعنی قیامت کا آنا کسی کو معلوم نہیں سوا خدا کے۔

نووی نے کہا' اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مفتی اور عالم سے جب کوئی ایسی بات پوچھی جاوے جس کو وہ نہیں جانتا تو یوں کہنا چاہیے کہ مجھ کو معلوم نہیں اور یہ کہنا اس کی ذلت اور نقصان کا باعث نہ ہوگا بلکہ دلیل ہے اس کے کمال علم اور ورع اور تقویٰ کی۔ بڑے بڑے اماموں نے جیسے ابو حنیفہؒ اور مالکؒ نے بہت سے مسائل میں سکوت کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ ہم کو معلوم نہیں۔

یہ ترجمہ ہے ان تلد الامۃ ربتھا کا جیسے اس روایت میں ہے اور ایک روایت میں ربتھا کے بدلے ربھا ہے' تذکیر کے ساتھ۔ تو ترجمہ یہ ہوگا کہ جنے گی لونڈی اپنے میاں کو۔ اور ایک روایت میں بعلھا ہے یعنی جنے گی لونڈی اپنے خاوند کو۔

اس فقرہ کے مطلب میں مختلف اقوال ہیں۔ بعضوں نے کہا مطلب یہ ہے کہ لونڈیاں بہت پکڑی جائیں گی اور ان کی اولاد بہت پھیلے گی۔ اور ظاہر ہے کہ لونڈی بھی شریعت کی رو سے ایک مال ہے اور باپ کا مال اس کے بعد بیٹے کا ہوتا ہے اور بیٹا بیٹی اپنی ماں کے میاں بی بی اور مالک ہوں گے۔ بعضوں نے کہا مراد یہ ہے کہ لونڈیاں بادشاہوں کی مائیں ہوں گی۔ کیونکہ اس زمانہ کے بادشاہ موافق شریعت کے نکاح کے پابند نہ ہوں گے بلکہ بہت سے نکاح ہی نہ کریں گے' لونڈیاں اور خواصیں رکھیں گے' پھر انکے لڑکے اور لڑکیاں تخت پر بیٹھ کر بادشاہ بنیں گے اور اپنی ماں کو اپنی رعیت میں شامل کریں گے۔ بعضوں نے کہا غرض یہ ہے کہ لوگوں کا حال تباہ ہوگا اور ام ولد کو بیچنا شروع کر دیں گے۔ آخر بکتے بکتے کبھی وہ اپنے بیٹے ہی کے ہاتھ آن کر بکے گی اور اس کو معلوم نہ ہوگا کہ میری ماں ہے اور یہ صورت سوا ام ولد کے اور لونڈیوں میں بھی ہو سکتی ہے۔ مثلاً ایک لونڈی کا لڑکا سوا اس کے مالک کے کسی اور سے' ہو نکاح یا شبہ یا زنا سے' پھر وہ لونڈی بکتے بکتے اس لڑکے کے ہاتھ میں جا پڑے اور وہ نہ پہچانے۔ اور بعل کے معنی بھی مالک سید کے آئے ہیں جیسے اتدعون بعلا یعنی تم پکارتے ہو مالک کو اور بعضوں نے کہا بعل سے مراد خاوند ہے یعنی خصم۔ وہ کہتے ہیں لونڈیوں کی خرید و فروخت اس کثرت سے ہوگی کہ کبھی ایک شخص اپنی ماں سے نکاح کرلے گا اور اس کو معلوم نہ ہوگا۔ اور بعضوں نے کہا مراد یہ ہے کہ لوگ ماؤں کی عزت و حرمت چھوڑ دیں گے اور ماں سے وہ سلوک کریں گے جو لونڈی سے کرتے ہیں۔

خدا اپنی پناہ میں رکھے' اس زمانہ میں بھی بہت سے لوگ ایسے نکلے ہیں جو ماں باپ کا ادب نہیں کرتے اور ان کی اطاعت نہیں کرتے بلکہ لونڈی غلاموں کی طرح ان کو جھڑکتے ہیں۔ ﷺ

وَتَحُجَّ الْبَيْتَ إِنْ اسْتَطَعْتَ إِلَيْهِ سَبِيلًا » قَالَ صَدَقْتَ قَالَ فَعَجِبْنَا لَهُ يَسْأَلُهُ وَيُصَدِّقُهُ قَالَ فَأَخْبِرْنِي عَنْ الْإِيمَانِ قَالَ « أَنْ تُؤْمِنَ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَتُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ » قَالَ صَدَقْتَ قَالَ فَأَخْبِرْنِي عَنْ الْإِحْسَانِ قَالَ « أَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ » قَالَ فَأَخْبِرْنِي عَنْ السَّاعَةِ قَالَ « مَا الْمَسْئُولُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنْ السَّائِلِ » قَالَ فَأَخْبِرْنِي عَنْ أَمَارَتِهَا قَالَ « أَنْ تَلِدَ الْأَمَةُ رَبَّتَهَا وَأَنْ تَرَى الْحُفَاةَ الْعُرَاةَ الْعَالَةَ رِعَاءَ الشَّاءِ يَتَطَاوَلُونَ فِي الْبُنْيَانِ » قَالَ ثُمَّ انْطَلَقَ فَلَبِثْتُ مَلِيًّا ثُمَّ قَالَ لِي « يَا عُمَرُ أَتَدْرِي مَنْ السَّائِلُ » قُلْتُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ « فَإِنَّهُ جِبْرِيلُ أَتَاكُمْ يُعَلِّمُكُمْ دِينَكُمْ ».

اسلام کیا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' اسلام یہ ہے کہ تو گواہی دے (یعنی زبان سے کہے اور دل سے یقین کرے) اس بات کی کہ کوئی معبود سچا نہیں سوا خدا کے اور محمدؐ اس کے بھیجے ہوئے ہیں اور قائم کرے نماز کو اور ادا کرے زکوٰۃ کو اور روزے رکھے رمضان کے اور حج کرے خانہ کعبہ کا اگر تجھ سے ہو سکے۔ (یعنی راہ خرچ ہو اور راستے میں خوف نہ ہو) وہ بولا سچ کہا تم نے۔ ہم کو تعجب ہوا کہ آپ ہی پوچھتا ہے پھر آپ ہی کہتا ہے کہ سچ کہا۔ (حالانکہ پوچھنے والا لاعلم ہوتا ہے اور سچ کہنے والا وہ ہوتا ہے جس کو علم ہو تو یہ دونوں کام ایک شخص کیوں کرے گا؟) پھر وہ شخص بولا مجھ کو بتلاؤ ایمان کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا' ایمان یہ ہے کہ تو یقین کرے (دل سے) اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر (کہ وہ اللہ تعالیٰ کے پاک بندے ہیں اور اس کا حکم بجالاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑی طاقت دی ہے) اور اس کے پیغمبروں پر (جن کو اس نے بھیجا خلق کو راہ بتلانے کیلئے) اور پچھلے دن پر (یعنی قیامت کے دن جس روز حساب کتاب ہوگا اور اچھے اور برے اعمال کی جانچ اور پڑتال ہوگی) اور یقین کرے تو تقدیر پر کہ برا اور اچھا سب خدا پاک کی طرف سے ہے۔ (یعنی سب کا خالق وہی ہے) وہ شخص بولا سچ کہا تم نے۔ پھر اس شخص نے پوچھا مجھ کو بتلاؤ احسان کیا ہے؟ آپؐ نے

۱؎ نووی نے کہا اس حدیث سے یہ بات نہیں نکلتی ہے کہ ام ولد کی بیع ممنوع یا جائز ہے اور جن لوگوں نے استدلال کیا اس امر پر اس حدیث سے' تعجب ہوتا ہے۔ اسلئے کہ جو چیز قیامت کی نشانی ہو اس کا حرام یا مذموم ہونا ضروری نہیں۔ کیونکہ اونچے اونچے مکان بنانا، دولت بہت کمانا، پچاس پچاس عورتیں رکھنا حرام نہیں حالانکہ وہ بھی قیامت کی نشانیاں ہیں۔ یعنی دنیا کی حالت میں ایک بڑا انقلاب ہوگا کہ جو لوگ مفلس قلاش بھوکے تھے وہ امیر و مالدار ہو جائیں گے اور جو امیر مالدار تھے وہ مفلس و محتاج ہو جائیں گے۔ اگرچہ ایسے انقلاب دنیا میں بڑی جنگوں سے کئی بار ہو چکے ہیں پر قیامت کے قریب وہ ساری دنیا میں ہونگے اور اب تک جو ہوئے وہ دنیا کے ایک ایک حصہ میں ہوئے۔ جیسے دوسری روایت میں ہے کہ قیامت کے قریب کشت و خون بہت ہوگا اور فساد عا[illegible] ہو جائے گا۔ بعضوں نے کہا کہ مراد ان ننگوں کنگالوں سے عرب کے لوگ ہیں اور یہ ایک پیشین گوئی تھی ان کے لیے کہ اسلام کو ترقی ہوگی اور عربوں کی شوکت بڑھے گی اور وہ محتاجی اور غربت سے نکل کر مالدار اور امیر بن جائیں گے۔ پھر ایسا ہی ہوا کہ آپ کی وفات کے تھوڑی مدت بعد ایران اور روم اور مصر فتح ہوئے اور عرب کے لوگ مالا مال ہو گئے۔ ۱؎

فرمایا' احسان یہ ہے کہ تو خدا کی عبادت کرے اس طرح دل لگا کر جیسے تو اس کو دیکھ رہا ہے' اگر اتنا نہ ہو تو یہی سہی کہ وہ تجھ کو دیکھ رہا ہے۔ پھر وہ شخص بولا بتایئے مجھ کو قیامت کب ہو گی؟ آپؐ نے فرمایا' اس کو جس سے پوچھتے ہو وہ خود پوچھنے والے سے زیادہ نہیں جانتا۔ وہ شخص بولا' تو مجھے اس کی نشانیاں بتلائیں؟ آپؐ نے فرمایا' ایک نشانی یہ ہے کہ لونڈی اپنی بی بی کو جنے گی۔ دوسری نشانی یہ ہے کہ تو دیکھے گا ننگوں کو جن کے پاؤں میں جوتا نہ تھا، تن کو کپڑا نہ تھا، کنگال بڑی بڑی عمارتیں ٹھونک رہے ہیں۔ راوی نے کہا پھر وہ شخص چلا گیا' میں بڑی دیر تک ٹھہرا رہا۔ اس کے بعد آپؐ نے مجھ سے فرمایا' اے عمرؓ! تو جانتا ہے یہ پوچھنے والا کون تھا؟ میں نے کہا اللہ اور اس کا رسول خوب جانتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا وہ جبرئیلؑ تھے' تم کو تمہارا دین سکھانے آئے تھے۔

٩٤- عَنْ يَحْيَى بْنِ يَعْمَرَ قَالَ لَمَّا تَكَلَّمَ مَعْبَدٌ بِمَا تَكَلَّمَ بِهِ فِي شَأْنِ الْقَدَرِ أَنْكَرْنَا ذَلِكَ قَالَ فَحَجَجْتُ أَنَا وَحُمَيْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْحِمْيَرِيُّ حَجَّةً وَسَاقُوا الْحَدِيثَ بِمَعْنَى حَدِيثِ كَهْمَسٍ وَإِسْنَادِهِ وَفِيهِ بَعْضُ زِيَادَةٍ وَنُقْصَانُ أَحْرُفٍ.

۹۴- اس سند سے بھی یہ حدیث مروی ہے کچھ الفاظ کی کمی اور بیشی کے ساتھ۔

ؔ یہ ترجمہ ہے فلبثت ملیا کا اور بعض نسخوں میں فلبث ملیا یعنی بہت دیر تک چپ رہے۔ ابوداؤد اور ترمذی کی روایت میں ہے تین دن کے بعد حضرتؐ مجھ سے ملے۔ لیکن یہ بظاہر مخالف ہے ابوہریرہؓ کی روایت کے کہ وہ شخص پیٹھ موڑ کر چلا' آپؐ نے فرمایا اس کو بلاؤ۔ لوگ دوڑے تو وہاں کسی کو نہ پایا۔ اس وقت رسول اللہؐ نے فرمایا یہ جبرئیل تھے۔ اور ممکن ہے توفیق اس طور پر کہ حضرت عمرؓ اس وقت مجلس سے اٹھ کر چلے گئے ہوں تو آپؐ نے اور لوگوں سے اسی وقت کہا ہو اور حضرت عمرؓ سے تین دن کے بعد۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایمان اور اسلام اور احسان سب دین میں داخل ہے۔

اور یہ حدیث علوم اور معارف کی بہت سی قسموں پر مشتمل ہے بلکہ وہ اصل ہے اسلام کی جیسے ہم نے قاضی عیاض سے نقل کیا اور کچھ فائدے اس کے اوپر مذکور ہوئے۔ ایک فائدہ اس کا یہ بھی ہے کہ جب اہل مجلس کو کسی بات کا علم نہ ہو تو ان کو معلوم کرانے کے لیے پوچھنا درست ہے تاکہ سب واقف ہو جاویں۔ دوسرا یہ ہے کہ عالم کو بہت نرمی کرنا چاہیے' پوچھنے والے کو اچھی طرح سے جواب دینا چاہیے کہ اس کی تشفی ہو جائے۔